بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

دعائیں کیوں بے اثر رہیں؟ نصرتِ الٰہی کیوں نہ آئی؟

ہمارے ادارہ کے فاضل رکن محترم ڈاکٹر صہیب حسن جو اسلامک شریعت کونسل، لندن کے سیکرٹری جنرل اور لندن میں قرآن سوسائٹی کے صدر بھی ہیں، گذشتہ دنوں پاکستان تشریف لائے۔ لاہور میں آپ نے خطبہ جمعہ میں 'سانحۂ سقوطِ بغداد' پر جن خیالات کا اظہار کیا، وقت کی تنگ دامنی کے باوجود اس میں اہم نکات آگئے ہیں۔ آپ کا یہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے۔ (محدث)

حمد وثنا کے بعد، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تَهِنُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ، إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ اَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوْهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ (آلِ عمران:۱۳۹ تا ۱۴۳)

''اور دیکھو! نہ تو ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔ اگر تمہیں چرکا لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی چرکا لگ چکا ہے اور یہ تو اتفاقاتِ زمانہ ہیں جو ہمارے حکم سے باری باری لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں اور (علاوہ بریں تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا) تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مؤمنوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو (کسی طرح بھی) ظالموں کا روادار نہیں۔ (نیز یہ مصلحت بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو (تمام کمزوریوں اور لغزشوں سے) پاک کردے اور کافروں کو نیست و نابود کردے۔ (مسلمانو!) کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا دعویٰ کرکے) جنت میں جا داخل ہوگے، حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے یہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے کون ہیں جو جہاد کرنے والے ہیں اور کون ہیں جو (مصیبت میں) صبر کرنے والے ہیں؟ اور تم تو موت کو سامنے آنے سے پہلے (راہِ حق میں) مرنے کی تمنا کررہے تھے، سو (وہ اب تمہارے سامنے آگئی اور) تم نے اس کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا۔''

سقوطِ بغداد کی شکل میں ایک عظیم سانحہ پیش آچکا ہے، ذہنوں میں کئی سوال کلبلا رہے ہیں جن میں دو سوال بار بار کئے جارہے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ دنیا کے کروڑوں مسلمانوں نے ہاتھ پھیلا پھیلا کر، عاجزی اور انکساری کے ساتھ دورانِ جنگ دعائیں کی، نمازوں میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا لیکن یہ ساری دعائیں بے اثر رہیں؟ ...... آخر ایسا کیوں ہوا؟

دوم، یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ کیا ہے لیکن اس موقع پر نصرتِ الٰہی کیوں نہیں آئی؟

دعائیں کیوں بے اثر رہیں؟

شروع میں جو آیات تلاوت کی گئی ہیں، ان کا تعلق تو دوسرے موضوع سے ہے، لیکن پہلی بات کے ضمن میں عرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم پر مصیبت مقدر کردی جائے تو کیا اسے ٹالا جاسکتا ہے؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''دعا تقدیر کو ٹال دیتی ہے۔'' یعنی انسان کے مقدر میں کسی مصیبت کا واقع ہونا لکھا ہوتا ہے، انسان خلوصِ دل سے دعا کرتا ہے تو یہ بہ تقدیر ٹل جاتی ہے۔ دراصل اس مصیبت کا نازل ہونا مگر دعا کی وجہ سے ٹل جانا خود تقدیر ہی کا ایک حصہ تھا، جہاں مصیبت لکھی گئی تھی وہاں یہ بھی مقدر تھا کہ انسان دعا کرے گا اور وہ مصیبت ٹل جائے گی۔

لیکن کیا ہر دعا مصیبت کو ٹال سکتی ہے......؟ اس کا جواب بھی الصادق المصدوق ﷺ نے دے دیا کہ آسمان سے مصیبت کا نزول ہوتا ہے اور زمین سے دعا اٹھتی ہے: الدعاء والبلاء یتعالجان* ''دعا اور مصیبت دونوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔'' اب یہ دعا کی طاقت پر ہے کہ یا تو وہ

☆ اس کی سند ضعیف ہے۔ (تلخیص الحبیر: ج۴/ ص ۱۲۱ از حافظ ابن حجر)

www.KitaboSunnat.com

اتنی طاقتور ہو کہ بلا کو پاش پاش کر دے یا اس کی حدت میں کمی کروا دے اور یا پھر اتنی کمزور ہو کہ بلا کے سامنے کسی صورت ٹھہر نہ سکے۔

موجودہ صورتِ حال میں ہمیں نہیں معلوم کہ دعاؤں نے کہاں تک اثر کیا۔ ہوسکتا ہے کہ بلا میں تخفیف کی شکل رہی ہو۔ ۱۲۵۸ء میں جب تاتاریوں کے ہاتھوں سقوطِ بغداد ہوا تھا اور آخری عباسی خلیفہ المستعصم باللہ کو قالین میں لپیٹ کر اوپر گھوڑے دوڑا دیے گئے تھے، بغداد میں ایسی تباہی آئی تھی کہ جس کا تصور بھی مشکل ہے۔ اس کثرت سے لوگ قتل کئے گئے کہ دریائے دجلہ کا پانی چالیس دن تک سرخ رہا۔ گلی کوچوں میں بے گوروکفن لاشیں پڑی تھیں اور ان کو کوئی دفنانے والا نہیں تھا، یہاں تک کہ ان کے تعفن سے وبا پھیل گئی جس کا اثر سرزمین شام تک پھیل گیا۔ مسلمانوں کا سارا علمی سرمایہ دریا برد کر دیا گیا اور یہی وہ نقطہ آغاز تھا کہ مسلمانوں کی علمی ترقی رک گئی۔

دعا کو طاقتور بنانے میں اخلاصِ نیت کا، نیک اعمال کا اور رزقِ حلال کا بڑا دخل ہے۔ اگر ان تین پیمانوں سے بھی مسلمان اپنے آپ کو جانچیں تو اکثر کو خفت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر یہ بھی تو اللہ کے رسول ﷺ نے ہی بتایا ہے کہ دعا کے ساتھ تین طرح کا سلوک کیا جاتا ہے، یا تو وہ (فوراً یا کچھ تاخیر سے) قبول ہو جاتی ہے (یعنی انسان جو مانگتا ہے اسے پالیتا ہے) یا اللہ تعالیٰ اس کی مانگ کے عوض میں کوئی اور آنے والی مصیبت اس سے ٹال دیتے ہیں کہ (علم الٰہی میں وہی اس کے لئے بہتر تھا) یا اس دنیا میں تو اسے اپنا مطلوب نہیں ملتا لیکن یہ دعا اس کے لئے توشۂ آخرت بن جاتی ہے۔ (مسند احمد: ج۳/ص ۱۸)

نصرتِ الٰہی کیوں نہ آئی؟

اب آیئے، دوسرے موضوع کی طرف کہ نصرتِ الٰہی کیوں نہ آئی؟

یاد رہے کہ اللہ کی نصرت حاصل کرنے کے لئے کچھ ایجابی عوامل ہیں جن کا حصول انتہائی ضروری ہے اور کچھ منفی عوامل ہیں جن سے پرہیز کیے بغیر چارہ نہیں......!

ایجابی عوامل میں سرفہرست یہ ہیں:

قوتِ ایمانیہ، قوتِ مرہبہ (ڈرانے والی طاقت) اور دورانِ قتال صبر وثبات

جو آیت سب سے پہلے ذکر کی گئی ہے، اس میں سربلندی وسرفرازی کے لئے ایمان کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا﴾ کہہ کر اس ایمان کی بنیاد فراہم کردی گئی ہے، اور یہ ایمان بھی ایسا ایمان جو سرد رات میں دہکتی ہوئی انگیٹھی کی طرح سارے ماحول کو گرما دینے والا ہو، ایسا ایمان جو اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے انسان کو جگائے رکھے:

﴿إِنْ تَنْصُرُوْا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد:۷)

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔''

اللہ کی مدد؛ اس کے دین کو خود اپنی زندگی میں، اپنے خاندان میں، اپنے معاشرہ میں قائم کرنا ہے، اسے تقریر وتحریر سے، سلوک وعمل سے، مسلسل جدوجہد سے پھیلانا اور عام کرنا ہے۔ یہ شروط پوری ہوں گی تو وعدۂ نصرت بھی پورا ہوگا۔ دین کا سب سے بڑا ستون نماز ہے اور اس کا قرین زکوٰۃ ہے۔ خود ہی اندازہ لگالیں کہ ہمارے معاشرہ میں ان دونوں ستونوں کو قائم کرنے والوں کی نسبت کیا ہے۔

ایمان کے سوتے حبل اللہ (قرآن) سے پھوٹتے ہیں، قرآن کا جزوِ اعظم توحید ِباری تعالیٰ کا اقرار اور تمام عبادات کو خالص اللہ کے لئے قرار دینا ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الانعام:۱۶۲)

''کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے۔''

قرآن میں کتنے انبیا کی دعاؤں کا ذکر آیا ہے۔ سب نے جب بھی مدد کے لئے پکارا ہے، اللہ کو پکارا ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ میدانِ بدر میں پہنچ جانے کے بعد اپنے خیمہ میں ساری رات دعاؤں میں گزار دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرکے طالب ِنصرت ہیں۔ زبان پر یہ الفاظ ہیں:

اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض

"اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر اس زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔" (مسلم:۱۷۶۳)

اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھی بھیجی اور آپ کی دعا کو ان قرآنی آیات میں لازوال بنادیا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلاَئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾

"(یاد کرو) جب تم اپنے ربّ سے استغاثہ کررہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی اور (کہا) کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کررہا ہوں جو یکے بعد دیگرے آئیں گے۔" (الانفال:۹)

دیکھئے یہاں مدد طلب کرنے کے لئے 'استغاثہ' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے غوث سے ایسی مدد طلب کرنا جو ماورائے اسباب ہو، جس تک ہماری پہنچ بھی نہ ہو۔ ایسی مدد صرف اللہ کی طرف سے آسکتی ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد 'غوث' بلکہ 'غوثِ اعظم' نبی تو درکنار ایک امتی بزرگ کو سمجھتی ہے۔ امداد کن، امداد کن کی صدائیں 'غوثِ اعظم' کو دی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ بزرگ اپنی زندگی میں توحید کو قائم کرنے والے تھے، ان کی تالیف غنیة الطالبین کو پڑھ لیں وہ تو اللہ کو پکارنے کی دعوت دیں لیکن ان کے نام لیوا انہی کی مخالفت بھی کریں اور پھر توقع کریں کہ اللہ کی نصرت آئے گی!!

اللہ کے رسول ﷺ اپنی تگ ودو کی حد تک عسکری اسباب فراہم کرنے کے بعد میدانِ بدر میں پہنچتے ہیں۔ یہی وہ قوتِ مرہبہ (ڈرانے والی قوت) ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں ان الفاظ کے ساتھ ہوا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ، لاَ تَعْلَمُوْنَهُمُ اَللّٰهَ يَعْلَمُهُمْ﴾ (الانفال:۶۰)

"اور (اے مسلمانو) جہاں تک تم سے ہوسکے، قوت کی فراہمی کرو اور (کافروں) کے مقابلہ کے لئے گھوڑے تیار بندھے رکھو تاکہ اس طرح اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر

www.KitaboSunnat.com

دھاک بٹھائے رکھو نیز ان کے سوا ان لوگوں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔''

یہ نہیں کہا گیا کہ دشمن کے برابر قوت فراہم کرو بلکہ کہا گیا 'جتنی تم سے ہوسکے'۔

پھر آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ألا إن القوة الرمي (جان لو کہ 'رمی' ہی قوت ہے) 'رمی' پھینکنے کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں تیر پھینکے جاتے تھے، اب یہی لفظ گولوں، بموں اور میزائلوں پر بھی صادق آتا ہے۔

جب مسلمانوں نے تمدن کی ترقی کے ساتھ جدید سہولیات اور آسائشوں کے لیے جدید اور ٹیکنالوجی کو اپنایا ہے تو اسی طرح آلاتِ حرب میں بھی جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول مسلمانوں پر لازم ہے، اُمت ِمسلمہ نے مجموعی طور پر اس امر میں کوتاہی کی ہے تو آج یہ روزِ بد دیکھنا پڑ رہا ہے۔

اور پھر جب دشمن سے مقابلہ ہوجائے تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جائے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوْا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! جب تم کسی گروہ کے مقابل آؤ تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔'' (الانفال:۴۵)

قرآن میں جابجا صبر اور مصابرت کا ذکر ہے جس میں مصائب پر صبر کے ساتھ ساتھ دشمن کے مقابلہ میں جمے رہنے کا مفہوم داخل ہے۔

اب آیئے ان **منفی عوامل** کی طرف جن سے بچنا لازم ہے:

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے کے بعد تذکرہ فرمایا: ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اور ''تفرقہ پیدا نہ کرو۔'' ایسی جماعتیں جو متحد ہوکر مشترک مقاصد کے لئے کام کریں وہ تو عقاب کے ان پروں کی مانند ہیں جو اسے اونچا اُڑنے میں مدد دیتے ہیں لیکن وہ جماعتیں جو آپس ہی میں دست بگریبان ہوں، باہم برسرپیکار ہوں، ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک پڑھنے کی روادار نہ ہوں، وہ اُمت ِمسلمہ کو دیمک کی طرح چاٹ تو سکتی ہیں، اسے جلا نہیں دے سکتیں۔

www.KitaboSunnat.com

باہمی نزاع کا بدانجام بھی ذکر فرمایا:

﴿وَأَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور (لڑائی کی تکلیفوں پر) صبر کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال:۴۶)

ﷺ غور فرمایئے کہ جنگِ اُحد میں خود اللہ کے رسولؐ میدان میں موجود ہیں، آغاز ہی میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، لیکن پھر ایسا وقت بھی آیا کہ فتح ہزیمت میں بدلتی نظر آنے لگی، بڑے بڑے جری میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے اور آنحضورﷺ صرف چند جاں نثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس آیت میں اس کا جواب موجود ہے، اور وہ ہے آنحضورﷺ کی حکم عدولی۔ یعنی عدمِ اطاعتِ رسول اور آپس میں اختلاف......!!

آنحضورﷺ نے جبل اُحد کی ایک جانب واقع گھاٹی پر پچاس تیر انداز مقرر کئے تھے اور انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ ہر صورت گھاٹی پر مورچہ قائم رکھیں، یہاں تک کہا کہ چاہے ہماری لاشیں چیل اور کوے اُچک کرلے جائیں تم اس گھاٹی کو نہ چھوڑنا۔ لیکن جونہی مسلمانوں کو فتح ہوئی، گھاٹی کے اکثر تیراندازوں نے کہا کہ ہم جاکر کیوں نہ مالِ غنیمت میں حصہ لیں۔ جنگ تو جیت ہی چکے ہیں۔ اب ایک طرف ان کے امیر آنحضورﷺ کے حکم کی مخالفت بھی ہوئی اور جونہی یہ لوگ گھاٹی چھوڑ کر چلے گئے، خالد بن ولید نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسی گھاٹی کی طرف سے حملہ کر دیا، یہاں چند تیر انداز رہ گئے تھے جو جم کر لڑے لیکن ایک کے بعد ایک گرتے گئے اور یوں مسلمانوں کو ایک غیر متوقع یلغار کا سامنا کرنا پڑا اور پھر وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کا تذکرہ سورۂ آل عمران کی ان آیات میں آچکا ہے جو آغاز میں ذکر کی گئیں۔

ﷺ منفی عوامل میں باہمی امداد کرنے کا فقدان بھی ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلاَّ عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''اور اگر دین کے بارے میں وہ (کمزور مسلمان)

تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا تم پر لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا صلح کا معاہدہ ہو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اسے دیکھتا ہے۔" (الانفال:۷۲)

یہاں یہ حال ہے کہ ایک صلیبی حملہ آور کی پشت پر دو دو صلیبی بنفس نفیس موجود ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی پشت پناہی سے انکار نہیں اور یہاں ملتِ مسلمہ ایک، دین ایک، رسول اور ربّ بھی ایک، لیکن زبانی کلامی تائید کے علاوہ کسی قسم کی مدد سے سروکار نہیں ......!!

اللہ کی مدد آئے تو پھر کیسے آئے......؟

اگر امریکہ کی پچاس ریاستیں مل کر سپر پاور بن سکتی ہیں تو کیا ۵۷ مسلم ممالک متحد ہو کر اس سے بڑی طاقت نہیں بن سکتے جبکہ نہ صرف عددی اعتبار سے بلکہ تیل، پٹرولیم، یورینیم اور ہر قسم کی معدنیات سے یہ مالا مال ہیں......؟

منفی عوامل میں بدعملی، فسق و فجور، اللہ سے بغاوت اور ظلم و بربریت سب شامل ہیں۔ عراق کی حکمران پارٹی 'البعث' کے ملحدانہ اور کمیونسٹ عقائد کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ عراقی صدر، اس کے جرنیلوں اور بعث پارٹی کے ورکروں کے ہاتھوں پچھلے بائیس برس میں جتنا کچھ ظلم ڈھایا گیا ہے شاید اسے عراقی علم پر 'اللہ اکبر' کا اضافہ بھی نہیں دھو سکا۔ یہ منظر تو سب نے دیکھا کہ بغداد کے ایک چوک سے عراقی صدر کے مجسّمے کو گرایا گیا، مسلمان مجاہد بت شکن ہوتے ہیں نہ کہ بت ساز، عراقی صدر کا یہ روپ ان کی اسلامیت کے لبادہ کو مشکوک قرار دیتا ہے۔ انسانی مجسّمے بت پرستی کی طرف لے جاتے ہیں۔ غیراللہ کی عظمت ذہن نشین کرواتے ہیں۔ اسی لئے اسلام میں مجسمہ سازی کی اجازت نہیں بلکہ انہیں گرانے کا حکم دیا گیا ہے!!

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ بے جوڑ ہونے کے باوجود عراقی فوج اور مجاہدین نے مقابلہ تو خوب کیا لیکن اس کینسر زدہ جسم کی طرح جس کا کینسر سارے جسم میں پھیل چکا ہو، دواؤں نے کوئی کام نہیں کر دکھایا۔ شہید ہونے والے اپنی نیت کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے اور ظلم کرنے والے، کچھ تو اپنے انجام کو پہنچ گئے اور کچھ اپنی میعاد پوری کر کے اسی انجام کو پہنچیں گے جو ہر فرعونِ وقت کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ☆☆

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد علی قصوری
ایم اے، کینٹب

اَدیان و مذاہب
[قسط نمبر۳]

کیا قرآن کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ میں اُلوہی صفات تھیں؟

مسیح اور پیغمبر کی سیرت کا مقابلہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ کامل و اکمل زندگی کا تصور ہی ناممکن ہے۔ چنانچہ ہم اس امر کو زیادہ واضح کرنے کے لئے حضور کا مقابلہ انجیلی مسیح سے (یعنی مسیح علیہ السلام کی وہ تصویر جو انجیل میں کھینچی گئی ہے) کریں گے، اس سے جہاں ناظرین کو ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہو جائے گی وہاں معیار و مدارِ فضیلتِ انبیا پر بھی پوری روشنی پڑے گی۔ کیونکہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو جس طرح دو انسانوں کا مقابلہ کرتے وقت ان میں معیارِ ترجیح فقط وہ جوہر انسانیت ہی ہوسکتا ہے، جسے عرفِ عام میں 'کردار' اور اصطلاحِ شرع میں 'قوتِ ایمانیہ' سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح جب دو انبیا یا ایک نبی اور ایک ابن اللہ (نعوذ باللہ) کا مقابلہ و موازنہ کریں گے تو اوّلاً انکے ذاتی کردار اور بعد میں ان کی تعلیمات اور بعد ازاں ان کی تعلیمات کے نتائج پر غور کرنا پڑے گا۔ اور ان تینوں چیزوں کے تقابل وتوازن پر ہی ترجیح کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔

انبیا چونکہ توحیدِ الٰہی اور تزکیۂ نفوس وتہذیبِ اخلاق کے لئے تشریف لاتے ہیں، اس لئے ان کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اللہ پر اعتماد اور تطابقِ قول وعمل، جو کردار کے اہم ترین جزو ہیں کی پوری تصویر ہوں؛ ورنہ

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبری کنند چوں درخلوت نہ جلوت مے روند آں کار دیگر کنند

کے مصداق ہوں گے۔ اور جو خود ہی گمراہ ہو، دوسروں کو کیا ہدایت کرسکتا ہے۔ اور بالخصوص نبیؐ جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اور اللہ کی طرف سے لوگوں کو خدا پر اعتماد سکھلانے کے لئے مامور ہے،ظاہر ہے کہ اس کا اعتماد اس درجہ کامل ہونا چاہیئے کہ کوئی زبردست سے زبردست آزمائش بھی اس کے کوہِ صبر کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے۔ ان تمہیدی بیانات کے بعد ہم حضرت عیسیٰؑ کا انجیلی کردار پیش کرنا چاہتے

www.KitaboSunnat.com